The Message of Surah al-Hijr (Surah 15)

By: Professor Dr. Dildar Ahmed Alvi

Understanding the Message of The Qur’an:

Dear Reader:

This is the first draft of this effort of mine to understand the message of this great surah. I request your comments and feedback. Many thanks in advance.

معرفتِ قرآن

سورہ الحجر کی تشریح۔

قرآنِ مجید کی سورت نمبر 15 کا نام سورہ الحِجر ہے۔ اس میں (آیت نمبر 80 میں)

لفظ الحِجر استعمال ہوا ہے، اس بنیاد پر اسے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پوری آیت

یہ ہے:

وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾

(اور، بیشك اہلِ حجر نے بھی (ہمارے) رسولوں کی تکذیب کی تھی۔)

اس سورہ میں 99 آیات ہیں۔ اس کے مضامین اور اسلوبِ بیان سے یہ بات واضح ہے کہ یہ ایک مکی سورت ہے، یہ مکی دور کے اس زمانے میں نازل ہوئی جب مشرکینِ مکہ کی قرآنی دعوت کی مخالفت نہایت شدت اختیار کر چکی ہے۔ اس کے بنیادی مضامین: قرآنی پیغام کی اہمیت، نبوت و رسالت کی اہمیت، رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی جدوجہد اور مشکلات، کائنات میں انسان کا مقام اور حیثیت، آخرت کی جواب دہی، مکافاتِ عمل کا الٰہی قانون، اور دنیا میں ایک مومن کا طرزِ عمل۔

یہ جنابِ رسالت مآب اور آپ کی دعوت کے خلاف پروپیگنڈا کے شدت کا زمانہ ہے۔ مکہ کے متکبر سردار رسولِ اکرم ﷺ کی تکذیب اور استہزا میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ وہ آپ کو مجنون اور آپ پر نازل ہونے والے کلامِ خدا کو جنوں کی کارستانی قرار دے رہے ہیں۔ بطورِ طنز و استہزا کہتے ہیں کہ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہمارے سامنے فرشتے کیوں نہیں لے آتے۔ مگر ان کی ضد کا عالم یہ ہے کہ اگر عالمِ غیب کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور انکار کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈھ ہی لیں گے۔ قرآن کہتا ہے کہ مشرکینِ مکہ کی مخافتِ حق کوئی نہیں بات نہیں، ہمیشہ سے مخالفینِ حق کا یہی طریقہ رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ اپنا بطورِ انسان مقام فراموش کر کے ابلیس کے راستے پر چل رہے ہیں۔

انہوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر ابلیس کے حوالے کر دیا ہوا ہے۔ ان کا تکبر انہیں

پیغامِ حق کو قبول کرنے سے باز رکھے ہوئے ہے۔ انسانوں کے باب میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ نہایت مہربان ہے مگر اس کا عذاب بھی نہایت دردناک عذاب ہے۔ جس طرح ماضی کے سرکشوں نے مکافاتِ عمل کا سامنا کیا ہے اسی طرح آج کے سرکش بھی اپنے انجام کو پہنچیں گے۔

قرآن وہ نعمتِ کبریٰ ہے کہ جس کے سامنے دنیا کی ہر دولت ہیچ ہے۔ اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ وہ دنیا کے عیش و عشرت کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ وہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں بسر کریں اور قرآنی دعوت کو عام کرنے کے لئے ہمہ وقت مصروفِ جدوجہد رہیں۔ وہ وقت ضرور آئے گا جب یہ جدوجہد کامیابی سے ہمکنار ہو گی۔

مطالب و معانی کا تجزیہ اور خلاصہ:

آیت 1تا 15:

قرآن ہدایت کی ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والا ہے، اس کا پیغام واضح اور عقل و فطرت کے عین مطابق ہے۔ جو لوگ قرآنی دعوت پر ایمان نہیں لا رہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کا پیغام واضح نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ ان کا تکبر اور ہٹ دھرمی ہے۔ مسلم ہونا اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جو لوگ آج مختلف تعصبات

کے زیرِ اثر اسلام کی دعوت پر لبیک نہیں کہ رہے ایک وقت آئے گا جب وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلم ہوتے۔

مخالفتِ حق جب اپنی انتہا کو پہنچتی ہے تو مہلتِ عمل ختم ہو جاتی ہے اور اقوام اپنے منطقی انجام سے دوچار ہو جاتی ہیں۔ اقوام کی ہلاکت کا ایک قانون ہے، یہ بے ہنگم طور پر واقع نہیں ہوتی۔ کوئی قوم اس قانون سے باہر نہیں نکل سکتی۔ ہر زمانے کے مخالفینِ حق کی ذہنیت ایک جیسی رہی ہے۔ مگر جس طرح پہلی قومیں مکافاتِ عمل کا شکار ہوئیں، اسی طرح آج کے مخالفینِ حق بھی اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مکافات ہر چیز کو اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہے۔ فیصلے کی گھڑی ضرور آئے گی۔ اور، ہر کوئی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرے گا۔

یہ قرآن ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت نہ اس کو مٹا سکتی ہے اور نہ اس میں کسی قسم کا ردو بدل کر سکتی ہے۔

جو لوگ دعوتِ حق کی تکذیب کرتے اور انبیائے کرام کا مذاق اڑاتے اور انہیں طنز و تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، ان کی فطرت مسخ ہو کر بالآخر گمراہی کے ساتھ سازگار ہو جاتی ہے۔ گمراہی ان کے دل و دماغ میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے آزاد ارادہ و اختیار سے حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت کھو دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ قرآنی دعوت پر لبیک نہیں کہ رہے۔ مگر ان کا یہ طریقہ نیا نہیں ہے، گزشتہ

زمانوں کے مخالفینِ حق کا بھی یہی طریقہ رہاہے۔ اور، جس طرح وہ ہلاکت سے دوچار ہوئے، اسی طرح یہ بھی اپنے انجام کو پہنچیں گے۔

مشرکین جو حق کی مخالفت کر رہے ہیں اس کی وجہ ان کا تکبر اور ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ عالمِ غیب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور انکار کا کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور ڈھونڈھ لیں گے۔

آیات 16 تا 18: کائنات کے مثبت مطالعے کی ترغیب "اسے دیکھنے والوں کی لئے زینت دی ہے") اور شیطانی طریقوں سے غیب تک رسائی کی نفی۔ ستارے اور دوسرے سماوی اجرام اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں، اللہ ان کا خالق ہے، ان کے مقامات یا حرکات سے علمِ غیب تک رسائی کے دعوے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ ان کی بنیاد پر کاہن اور نجومی اٹکل کے تیر تو چلا سکتے ہیں سو وہ چلا رہے ہیں، لیکن کسی بھی شیطانی اور باطل پر مبنی طریقے سے غیب تک رسائی ممکن نہیں۔ جن نام نہاد دلائل کی بنیاد پر یہ قرآن کی مخالفت کر رہے ہیں وہ نری جہالت کی باتیں ہیں۔ یہ نبوت و رسالت کی حقیقت سے نابلد ہیں۔ کاہن وحیٔ الٰہی کی مخالفت میں غیب دانی کے جو دعوے کرتے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ تکوینی نظام اتنا محکم اور مضبوط ہے کہ کوئی شیطانی طاقت اس میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ شیطانی علوم کے ذریعے غیب تک رسائی ممکن نہیں۔ قرآنی علم و برہان کا

تیز شعلہ اس طرح کے ہر دعوے کو جلا کر بھسم کر دے گا۔ شیطانی طریقوں سے غیب کی باتیں جاننے کی کوشش کو قرآن "استراقِ سمع" (غیب کی بات چرانے کی کوشش) قرار دیتا ہے۔ یعنی یہ چوروں کا طریقہ ہے۔ اس کا وحی سے کیا مقابلہ۔ شیطانی طریقوں سے غیب جاننے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے، لیکن یہ کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔شیطانی طاقتوں کے لئے غیب تک رسائی ممکن نہیں۔ کوئی شیطانی طاقت اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام میں مداخلت نہیں کر سکتی۔

آیات 19 تا 22: زمین میں اللہ تعالیٰ کر قدرت اور ربوبیت کی نشانیاں۔

آیات 23 تا 25: اللہ ہی نے زندگی اور موت کا نظام قائم کیا ہے، بالآخر، ہر کوئی موت سے ہمکنار ہو گا سوائے اللہ تعالیٰ کے کہ بقا صرف اسی کو حاصل ہے۔ وہی سب کا وارث اور مالک ہے۔ تمام لوگ جو گزر چکے یا آئندہ آئیں گے سب اللہ تعالیٰ کے علمِ محیطِ کل میں ہیں۔ وہ سب کو بروزِ قیامت جمع کرے گا۔ اللہ حکیم و علیم ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت ہے اور وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ایک روزِ حساب ہو جب ہر کوئی اپنے اعمال کے حتمی نتائج کا سامنا کرے۔ اور، وہ علیم ہے، انسان کا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں، ہر عمل اپنی نوعیت کے مطابق نتیجہ پیدا کرے گا۔

آیات 26 تا 28:

انسانی تخلیق کی الٰہی اسکیم کا بیان۔ قرآن نے انسانی تخلیق کی الٰہی اسکیم کو ایک خوبصورت تمثیل کی شکل میں کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ اس میں جو مکالمے ہیں وہ مکالماتِ حالی ہیں، یعنی واقعتاً جو صورتِ حال موجود ہے اسے مکالموں کی شکل میں بیان کیا گیا ہے؛ کسی حقیقت کا کسی شے یا وجود کی حالت اور کیفیت سے ظاہر ہونا، زبانِ حال۔ اس الٰہی اسکیم میں انسان ارادہ و اختیار کا حامل ایک اخلاقی وجود ہے۔ شیطان اس الٰہی اسکیم کا بنیادی حصہ ہے۔ اس کا کام ہے انسان کو بدی پر اکسانا، اور انسان کو اس کی زندگی کے آخری دم تک بدی پر اکساتے رہنا۔

انسان جب شیطانی اکساہٹ اور برانگیختگی کے خلاف عمل کرتا ہے تو اسے روحانی ارتقا اور نشوونما حاصل ہوتی ہے، وہ روحانی ترقی و بلندی کی طرف جاتا ہے۔ لیکن، جب انسان شیطانی اکساہٹ کے مطابق عمل کرتا ہے تو یہ چیز اسے روحانی تنزل سے دوچار کرتی ہے۔ اس طرح، یہ دنیا انسان کے لئے دار الامتحان قرار پاتی ہے، اور انسان ہر ہر قدم پر اخلاقی چوائسز کی آزمائش سے گزرتا ہے۔ گویا، شیطان کا وجود انسانی کی روحانی نشوونما کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ انسان جب اپنے آزاد ارادہ و اختیار سے شیطانی اکساہٹ کو رد کرکے اس کے برعکس عمل کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کا چنیدہ و پسندیدہ (مخلَص) بندہ بن جاتا ہے۔ شیطان کا کوئی حربہ اس پر کامیاب نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس، شیطان کی اکساہٹ کے مطابق

چلنے والے اپنی ذات کو گویا مٹی میں ملا دیتے ہیں اور روحانی پستیوں میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ روحانی ارتقاء انسان کو جنت کی نعمتوں میں لے جاتا ہے جبکہ روحانی زوال انسان کو جہنم کی آگ کا ایندھن بنا دیتا ہے۔

آیات 49 تا 84:

جزا و سزا کا بنیادی اصول اور ماضی کی اقوام کی تاریخ کے ذریعے اس کی تشریح:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"(اے رسولِ اکرم ﷺ) میرے بندوں کو آگاہ کر دیجیے کہ بیشک میں بڑا ہی مغفرت فرمانے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہوں ، اور بیشک میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے"۔

انسان کی تخلیق کی الٰہی اسکیم کے مطابق انسان ایک اخلاقی وجود ہے۔ زندگی کے سفر میں ہر ہر قدم پر اسے حق اور باطل، خیر و شر اور نیکی و بدی میں سے ایک کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ نتیجتاً، یا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا حقدار قرار پاتا ہے یا اپنے آپ کو اس کے عذاب کا مستحق ٹھہرا لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں ذی علم فرزند کی نعمت سے نواز دیتا ہے جب اولاد کی پیدائش کے ظاہری آثار ماند پڑ چکے ہوتے ہیں۔ اس میں

نوعِ انسانی کے لئے بشارت ہے، اہلِ حق اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ اس کی رحمت سے صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ (اپنے قانونِ مکافات کے ذریعے) اپنے انبیائے کرام (حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام اور دیگر) اور ان کے اہلِ ایمان ساتھیوں کی مدد فرماتا ہے، لیکن ان کی قوموں کے ظالموں اور سرکشوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ نیکی کا انتخاب انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف لے جاتا ہے جبکہ بدی کا انتخاب انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ وہ بنیادی اصول ہے جسے قرآنِ مبین نے جگہ جگہ مختلف پیرائے میں بیان کیا ہے۔ جب انسان کی بداعمالیاں اپنے نتائج دکھاتی ہیں تو صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ انسان کی کوئی کمائی اس کے کام نہیں آتی، نہ مال و اسباب، نہ علم و ہنر اور نہ طاقت و اقتدار۔ "ان کی کمائی کی کوئی چیز ان کے کام نہ آئی"۔ (آیت 84)

آیات 85 تا 99:

کائنات اللہ تعالیٰ کی "تخلیق بِالحق" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عبث اور بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ اسی طرح، انسان کی تخلیق کی ایک غایت، حکمت اور مقصدیت ہے۔ فیصلے کی گھڑی نے آنا ہے۔ اللہ کے رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی جدوجہد رنگ لائے گی۔ آپ مخالفینِ حق سے صبر و استقامت کے ساتھ پیش آتے رہیں اور نہایت

عمدہ طریقے سے در گزر کرتے رہیے۔ اللہ تعالیٰ الخلاق ہے، عظیم تخلیقی طاقتوں کا مالک۔ کوئی چیز اس کے لئے ناممکن نہیں۔ساتھ ہی وہ العلیم ہے، اسے خوب معلوم ہے کہ کیا کرنا ہے، کیسے کرنا ہے اور کب کرنا ہے، اور یہ کہ مستقبل اہلِ ایمان کے لئے اپنے دامن میں کیا کیا سمیٹے ہوئے ہے۔

قرآن اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اس کے سامنے دنیا کی کوئی دولت کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ قرآن سے وابستگی ہی حقیقی فوز و فلاح کی ضمانت ہے۔ یہ ہدایت کے کامل اصولوں کی جامع بلند مرتبہ کتاب اور نہایت عمدہ کلام ہے جس کے مضامین باہم مربوط اور ہم آہنگ ہیں ۔ مخالفینِ حق کی مخالفت پر غمگین نہ ہوں، حسبِ معمول استقامت سے اس کا مقابلہ کیجیے۔اہلِ ایمان کو حسبِ معمول اپنے شفقت و محبت کے سائے میں رکھیے۔اور، مخالفینِ حق سے فرمائیے کہ بیشك میں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا النذیر المبین ہوں (صاف صاف خبردار کرنے والا؛ جس کی گزشتہ انبیائے کرام بشارت دیتے رہے ہیں)۔ اعمال اپنی نوعیت کے مطابق نتائج پیدا کریں گے۔ برے اعمال انسان کو بالآخر اللہ تعالیٰ کے عذاب تك لے جاتے ہیں۔ پہلی قوموں نے الٰہی پیغام کی قدر نہیں کی اور اللہ کی رحمت سے دور جا پڑیں، اسی طرح، اگر تم نے قرآن سے روگردانی کی تو تمہارا انجام بھی اسی طرح کا ہو گا۔

اے رسولِ اکرم ﷺ! آپ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو علی الاعلان پہنچائیے اور ان اہلِ شرک سے اعراض فرمائیے۔ ان کے استہزا کی پروا نہ کریں۔ حقیقتِ حال بہت جلد ان پر آشکارا ہو جائے گی۔ ہم اس بات سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں، بہت جلد یہ اپنے منطقی انجام کو پہنچیں گے۔ آپ حسبِ معمول اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔

پس، آپ اپنے رب کی تسبیح کریں اس کی حمد کے ساتھ۔ اور، اس کے سامنے سجدہ ریز ہونے والوں میں رہیں، اور یہ کہ اپنے رب کی عبادت میں ہمہ وقت مشغول رہیں یہاں تک کہ امرِ یقینی آپ پر آشکارا ہو جائے۔ (آپ کی جدوجہد اپنے نصب العین سے ہمکنار ہو اور زمین پر آپ کا مشن اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق پایہءِ تکمیل تک پہنچے، آج جو بالقوہ ہے وہ بالفعل ہو جائے، اور جو مضمر ہے وہ آشکارا ہو جائے)۔

Surah al-Hijr

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے
الۤرٰ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ①	الٓرٰ (الف لام را) (یہ حروفِ مُقَطَّعات ہیں۔) یہ کتابِ کامل کی اور عظیم قرآن کی بلند مرتبہ آیات ہیں جو خود واضح اور ہر شے کا واضح کرنے والا ہے۔

کتاب: جو لکھی ہوئی ہے؛ قرآن: جو پڑھی جاتی ہے۔ مبین: خود واضح اور ہر شے کو واضح کرنے والی۔

آیات: آیت کی جمع، نشانیاں، ہدایت کی باتیں۔

یہ الکتاب (کتابِ الٰہی)کی یعنی قرآنِ مبین کی آیات ہیں۔ یعنی اس کتاب کی جو الکتاب بھی ہے اور قرآنِ مبین بھی۔

واضح قرآن، ہدایت کی ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرنے والا۔ بالکل واضح۔ یہاں لفظ قرآن کی تنکیر قرآن کی عظمت و کمال کا اظہار کر رہی ہے (اسے تفخیمِ شان کہتے ہیں)۔

اس کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن غیر واضح ہے، بلکہ اس کی وجہ ان کا تکبر ہے۔ انہیں اس کی پروا نہیں۔ ان کے ایمان نہ لانے سے قرآن کے پیغام کا فروغ رک نہ جائے گا۔ خود واضح اور ہر چیز کو واضح کرنے والی اس کتاب کا نور ہر طرف پھیلے گا۔

مبین، واضح ، فطری، عقلِ سلیم کے مطابق۔ قرآن اتنا واضح ہے کہ یہ اپنی صداقت کی دلیل آپ ہے۔

الکتاب والقرآن المبين هو الكتاب الذي وعد الله محمداً ﷺ والمعنى تلك الآيات آيات ذلك الكتاب الكامل في كونه كتاباً وفي كونه قرآناً مفيداً للبيان (الرازی)۔

والمراد بالكتاب وبالقرآن المبين: الكتاب الذي وعد به الله محمداً صلى الله عليه وسلم، وتنكير القرآن للتفخيم، والتعظيم والمعنى تلك آيات الكتاب الكامل في كونه كتاباً، وفي كونه قرآناً۔
(الخازن)

اسی طرح کی کچھ آیات: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (القصص)؛ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ (النمل)؛ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (لقمان)۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝٢	(مختلف تعصبات کے زیرِ اثر قرآن کی مخالفت کر رہے ہیں، لیکن)وہ وقت ضرور آئے گا جب یہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ہے بار بار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلم ہوتے۔

یعنی، وہ وقت ضرور آئے گا جب حقیقت روزِ روشن کی طرح اس طرح عیاں ہو جائے گی کہ اس کا انکار کرنا ممکن نہیں ہو گا، یہ منکرینِ حق بصد حسرت و یاس بار بار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلم (حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے) ہوتے۔[انھوں نے اسلام قبول کیا ہوتا ہے۔ حق کی مخالفت کے بجائے اسے قبول و تسلیم کیا ہوتا۔ اگر ہم ایسا کرتے تو اس انجامِ بد سے بچ جاتے۔ لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہو گی، اور ان کے پاس مخالفِ حق کے انجام کا سامنا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔ لیکن، آج جب کہ اللہ کا کلام روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کر ان کے سامنے آگیا ہے انھوں نے انکار کی روش اختیار کر لی ہے۔ اور اس پر بضد ہیں۔]

{ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ} أي: ستروا الحق، ولم يصرفوا عقولهم إلى كشفه {لَوْ كَانُواْ مُسْلِمِينَ} [الحجر: 2] مصرفين عقولهم إلى معرفة الله، ومفوضين أمورهم كلها إليه، ومتوكلين على الله في جميع حالاتهم، لكن من شدة طغيانهم، ونهاية غوايتهم وخسرانهم لم يقبلوا دعوتك، ولم يؤمنوا بك وبكتابه يا أكمل الرسل عناداً واستكباراً؛ حتى ينجو من خذلان الدنيا وخسران الآخرة.

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝٣	(اے رسولِ کریمﷺ) ان (مخالفینِ حق) کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے، یہ کھائیں پئیں اور عیش کریں اور جھوٹی امیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں، لیکن بہت جلد یہ جان جائیں گے (کہ حقیقت کیا ہے)۔

بہت جلد ان پر ان کے افکار و اعمال کی برائی واضح ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اسلامی دعوت کو فروغ عطا فرمائے گا، اور اس کی حقانیت واضح ہو جائے گی۔ موت کے بعد تو اپنے فکر و عمل کی حقیقت ہر ایک پر واضح ہونا ہی ہے۔"انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں" یعنی اگر یہ ایمان نہیں لا رہے اور حق کی مخالفت پر بضد ہیں تو آپ ان کے لئے غمگین نہ ہوں۔ مکافاتِ عمل کا قانون اپنا کام کر رہا ہے، لہذا بہت جلد ان مخالفینِ حق پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حقیقتِ حال کیا ہے۔

هذا ليس على الأمر، ولكن على الوعيد، والتهديد، والإبلاغ في الوعيد، وتأكيد (الماتريدى)۔

وَ مَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿۵﴾	[خدا کی کتابِ تقدیر میں ہر چیز کا ایک معین نظام ہے۔] حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ (ہمارے ودیعت کردہ قانونِ فطرت کے مطابق) اس کی ہلاکت کا ایک مقررہ وقت تھا۔ کوئی قوم اپنے (خاتمے کے) مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔

(ہمارا قانون (سنت اللہ) جو شروع سے چلا آ رہا ہے یہ ہے کہ) ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کی ہلاکت کا وقت (کتابِ فطرت میں، بطورِ قانونِ فطرت) لکھا ہوا تھا جو معلوم تھا۔ اس قانون کا یہ نتیجہ ہے کہ کوئی امت، کوئی انسانی گروہ، کوئی کمیونیٹی یا تہذیب، کوئی قوم اپنے اختتام، اپنی ہلاکت، اپنی موت کے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔ ہلاکت و زوال کے اسباب و علل اور سلسلہ ءِ عمل [پروسیس] کتابِ فطرت میں لکھا ہوا ہے، قوانینِ فطرت کی شکل میں۔ یہ قوانین ایسے ہیں جنہیں وحیِ الٰہی نے کھول کر بیان کر دیا ہے، یہ معلوم شدہ ہیں اور جنہیں علم و بصیرت (کائنات، معاشرہ اور فرد کے مطالعہ (تحقیق و تفتیش) کے ذریعے دریافت کیا جا سکتا ہے۔

قوموں کی زندگی و موت اور عروج و زوال بے ہنگم طور پر واقع نہیں ہوتے بلکہ ان کے فطری قوانین ہیں۔ جس طرح طبیعی کائنات کے قوانین ہیں اسی طرح انسانی ''کائنات'' کے بھی اصول و ضوابط ہیں۔
طنز کے طور پر کہتے ہیں کہ تم جس عذاب سے ڈراتے ہو وہ لے آئو، اپنی مخالفِ حق کے ذریعے بزبانِ حال کہتے ہیں کہ۔۔۔۔مگر اللہ نے ہر چیز کا ایک نظام مقرر کر رکھا ہے جس کے مطابق ہی وہ چیز واقع ہوتی ہے۔

وَ قَالُوۡا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡ نُزِّلَ عَلَیۡهِ الذِّکۡرُ اِنَّکَ لَمَجۡنُوۡنٌ ؕ﴿۶﴾

اور (ان مخالفینِ حق کا حال یہ ہے کہ بطورِ استہزا) کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر الذکر (قرآنِ مبین) اتارا گیا ہے بیشک تو مجنون ہے۔

لَوۡ مَا تَاۡتِیۡنَا بِالۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۷﴾

اگر تو (اپنے دعوے میں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو فرشتوں کے ذریعے نازل ہوتا ہے) سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا (جو ہماری آنکھوں کے سامنے تجھ پر قرآن نازل کریں اور تیری رسالت کی گواہی دیں)۔

مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ مَا کَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِیۡنَ ﴿۸﴾

(اے رسولِ اکرم ﷺ آپ فرمائیں، اللہ کا فرمان ہے) ہم فرشتوں کو نہیں اتارا کرتے مگر یہ کہ ان کے نزول کا (ہمارا ودیعت کردہ) ایک مقصد ہوتا ہے اور (جب فرشتے اتارے جاتے ہیں تو) اس کے بعد ان (لوگوں) کو (جو ان کے اتارے جانے کا مطالبہ کرتے ہیں) مزید مہلت نہیں دی جاتی (اور وہ ہمارے قانونِ فطرت کے مطابق اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں)۔

مجنون: دیوانہ، جنات کے زیرِ اثر۔
اَلذِّکۡرُ: یعنی القرآن،

مخالفینِ حق کہتے ہیں کہ (اے محمد(ﷺ)) تو کہتا ہے کہ مجھ پر قرآن ملائکہ نازل کرتے ہیں، لیکن ہمارے خیال میں تو تُو جنوں کے زیرِ اثر ہے، اور جو کلام تو ہمیں سناتا ہے یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ جنات کا اثر ہے۔ لیکن، اگر تو اپنے دعوے میں واقعی سچا ہے تو ملائکہ کو ہمارے سامنے لے آ، ہم انہیں تجھ پر قرآن نازل کرتا ہوا خود دیکھ لیں اور وہ ہمارے سامنے اس بات کی گواہی دیں کہ تو اللہ کا رسول ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ ہم فرشتوں کا نزول کسی کے مطالبے پر نہیں کرتے، بلکہ ان کے نزول کا ہمارا ایک قانون اور نظام ہے جس کے مطابق وہ نازل ہوتے ہیں، اور جب وہ نازل ہو جاتے ہیں تو اس کے بعد ان لوگوں کو مزید مہلت نہیں ملتی۔

لَمَجْنُونٌ: مخبط مختل العقل، يخبطك الجن---------- (تفسير الجيلانى)

{إلا بالحق} من الوحي، والمصالح التي يريدها الله، لا باقتراح مقترح، أو اختبار كافر، أو: إلا تنزيلاً ملتبساً بالحق، أي: بالوجه الذي قدره في الأزل، واقتضته الحكمة الإلهية، وهو أنه لا تنزل إلا باستئصال العذاب، وقد سبق في العلم القديم أن من ذريتهم من سبقت كلمتنا له بالإيمان، أو يراد بالحق: العذاب، ويؤيده قوله: {وما كانوا إذاً منظَرين}؛ أي: ولو نزلت الملائكة لعوجلوا، وما كانوا، إذا نزلت، مُؤخرين عن العذاب ساعة (البحر المديد في تفسير القرآن المجيد)۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلَٰٓئِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ، يعني بالرسالة إلى رسلنا، أو بالعذاب لمن أردنا تعذيبه. ولو أرسلنا إلى هؤلاء المشركين على ما يسألون إرسالهم معك آية فكفروا لم يُنظروا فيؤخروا بالعذاب، بل عوجلوا به كما فعلنا ذلك بمن قبلهم من الأمم حين سألوا الآيات فكفروا حين آتتهم الآيات، فعاجلناهم بالعقوبة(طبرى)

{إِلاَّ بِٱلْحَقّ} إلا تنزلا ملتبساً بالحكمة والمصلحة، ولا حكمة في أن تأتيكم عياناً تشاهدونهم ويشهدون لكم بصدق النبي صلى الله عليه وسلم، لأنكم حينئذ مصدّقون عن اضطرار(زمخشرى)

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ٩

(جہاں تک اس قرآن کا تعلق ہے تو آگاہ رہو کہ) بیشک ہم ہی نے اس ذکر کو (نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے) نازل کیا ہے اور یہ کہ بیشک ہم ہی (ہر قسم کی تخریب و تحریف سے) اس کے محافظ ہیں۔

یہ ابد الآباد تک انسانوں کی رہنمائی کے لئے ہے۔ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، کوئی شیطانی طاقت اس میں کسی قسم کی تحریف ہر گز نہیں کر سکتی۔ اسے نازل کرنا اور کتابی شکل میں جمع کرنا ہمارے ذمہ ہے (إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ١٧)) ۔ یہ ہمیشہ اپنی اصل حالت اور اپنی اصل زبان میں قائم رہے گا، الحمد سے والناس تک، کسی زیر زبر پیش کی تبدیلی کے بغیر۔ اس میں باطل کسی بھی طرف سے اور کسی بھی شکل میں داخل نہیں ہو سکتا۔

[من التحريف، والزيادة، والنقص؛ عن تحريف أهل الزيغ والضلال المنحرفين عن جادة التوحيد]

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (فصلت)۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ١٠

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ١١

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ١٢

اور یہ کہ (اے رسولِ کریم ﷺ آپ ان کے استہزا پر غمگین نہ ہوں، مخالفینِ حق کا اس طرح کا رویہ شروع سے چلا آ رہا ہے۔) بیشک ہم نے گزشتہ قوموں میں (اپنے رسول) بھیجے (ان کو بھی اسی طرح کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا) اور جب بھی (اگلے وقتوں کے) لوگوں کے پاس کوئی رسول آتا تھا وہ اس کا مذاق ہی اڑایا کرتے تھے۔ اسی طرح ہم (اپنے ودیعت کردہ قانونِ فطرت کے مطابق) اس (مخالفتِ حق) کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔

وہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائیں گے ، اِن کے اگلوں سے یہی طریقہ چلا آ رہا ہے۔

<table>
<tr><td>لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾</td><td></td></tr>
<tr><td colspan="2">چنانچہ، جس طرح ان کے فکری اسلاف اپنے انبیا پر ایمان نہیں لائے تھے ، یہ لوگ بھی آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ نتیجتاً، یہ بھی اسی طرح مکافاتِ عمل کے قانون کی زد میں آئیں گے جس طرح ان کے پیشرو آئے تھے۔</td></tr>
<tr><td>وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ
فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾
لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ
قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾</td><td>اور،(ان کی ہٹ دھرمی کا حال یہ ہے کہ) اگر ہم ان پر آسمان (عالمِ غیب) کا کوئی دروازہ بھی کھول دیتے، کہ وہ اس میں سے اوپر چڑھنے لگتے، یقیناً، پھر بھی یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں خیرہ کر دی گئی ہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔</td></tr>
<tr><td colspan="2">اگر یہ غیب کے حقائق اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے، ضد اور استکبار کے باعث۔
(سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا :ہماری نظریں مبہوت/خیرہ/مدہوش کر دی گئی ہیں، ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔</td></tr>
<tr><td>وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ
زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾
وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾
اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾</td><td>اور، یقیناً ہم ہی نے فضائے آسمانی (سپیس) میں روشن سماوی اجسام بنائے ہیں اور اس کو دیکھنے والوں کے لئے زینت دی ہے۔
اور یہ کہ ہم نے عالمِ غیب کو ہر شیطان (کی رسائی) سے جو (اپنے شر کے باعث) اللہ کی رحمت سے دور جا پڑا محفوظ بنایا ہے۔ (کاہنوں اور نجومیوں کے غیب تک رسائی کے دعوے بے بنیاد ہیں)۔</td></tr>
</table>

<table>
<tr><td>(یہ نظام اتنا مضبوط ہے کہ) اگر کوئی (شیطان، غیب کی) کوئی بات چرانا چاہے تو (علم و برہان کا) روشن شعلہ اس کا پیچھا کرے گا۔ (شیطانی طریقوں سے غیب تک رسائی ممکن نہیں)۔</td><td></td></tr>
<tr><td colspan="2">شیطانی طریقوں سے غیب تک رسائی ممکن نہیں۔ اگر کوئی اس کا دعویٰ کرے گا تو قرآنی علم و برہان کا روشن اور تیز شعلہ اس کا پیچھا کرے گا، قرآن نے اس طرح کے دعووں کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، قرآن کے سامنے اس طرح کے دعوے نہیں ٹھہر سکیں گے۔ قرآن حق کا وہ نور ہے جس کے سامنے باطل کا اندھیرا ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔
مزید براں، کائنات کی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ تکوینی نظام میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیقی اسکیم میں جو آزادی اور دائرہ ءِ عمل دیا ہے وہ انسان کی اخلاقی و نفسیاتی (روحانی) اور مورل چوائسز (اخلاقی انتخاب) کی دنیا ہے، انسان کے ایک باشعور مخلوق کے طور پر ارادہ و اختیار کی دنیا۔
قرآن کا اسلوبِ بیان معجزانہ ہے، وہ ادبِ عالیہ کی زبان میں بات کرتا ہے۔ وہ استعاروں، تمثیلوں، تشبیہوں اور دوسرے ادبی محاسن کو کام میں لاتا ہے۔ لیکن، لفظ پرست اس معجزانہ اسلوب اور کلام کی روح کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک پوری متھالوجی گھڑ لیتے ہیں۔
ان آیات کا مدعا کاہنوں کے ظنون و اوہام کا رد کرنا ہے، جن کے زیرِ اثر مخالفینِ حق یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ (نعوذ باللہ) رسولِ اکرم کسی جن یا جنات کے زیرِ اثر ہیں اور جو کلام آپ پیش کر رہے ہیں وہ جنات کا القا کیا ہوا ہے۔
بہت سے لوگ ستاروں کو صاحبِ شعور اور الوہی صفات کے حامل مانتے تھے (ستارہ پرستی بہت سی قدیم تہذیبوں میں پائی جاتی تھی)۔ کاہنوں اور نجومیوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے قبضے میں جنات ہیں جو فرشتوں کی باتیں جو اوپر فضا میں وہ ایک دوسرے سے کر رہے ہوتے ہیں، سن کر ان (یعنی کاہنوں اور نجومیوں) تک پہنچاتے ہیں۔ قرآن اس پوری متھالوجی کو رد کرتا ہے۔ چونکہ ان کاہنوں اور نجومیوں کا ایک مقصد قرآنی وحی کو مشکوک بنانا بھی تھا، اس لئے قرآن نے</td></tr>
</table>

(اپنے معجزانہ اسلوب میں) اس کی نہ صرف نفی کی بلکہ اس کے شیطانی چہرے کو بھی بے نقاب کیا۔ اس نے واضح کیا کہ نزولِ قرآن کے بعد اس قسم کے دعووں کی کوئی حیثیت نہیں، جب بھی اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا جائے گا، علم و برہان کا روشن اور تیز شعلہ اس کا پیچھا کرے گا، اور اسے جلا کر بھسم کر دے گا۔ قرآنی علم و آگہی کا فروغ ہر قسم کے توہمات اور اوہام کو بے نقاب کر دے گا۔

بروج کا معنی: بروج عربی لفظ برج کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے ظاہر ہونا۔ اسی سے تبرجت المراۃ ہے (عورت نے اپنی خوبصورتی کا اظہار کیا)۔ ''اس لغوی معنی کی مناسبت سے اس کا اطلاق ان چیزوں پر ہونے لگا جو دور سے نمایاں ہوتی ہیں مثلاً قلعہ، محل، شاہراہ وغیرہ ----- اسی وجہ سے وہ بڑے ستارے جو دور سے نمایاں ہوتے ہیں انہیں بھی اہلِ عرب برج کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن، تفسیر زیرِ نظر آیات)۔

تفسیر المظہری نے واضح طور پر قرار دیا ہے کہ آیت کی مراد اہلِ ہیئت کے اصطلاحی بروج نہیں ہیں۔ "البرج ھو النجم الکبیر ماخوذ من التبرج ای الظھور یقال تبرجت المرات، ----و لیس المراد بالآیۃ مصطلح اہل الھیئۃ۔۔" (تفسیر المظہری زیرِ نظر آیت)

(البرج سے مراد بڑا ستارہ ہے۔ برج کا لفظ التبرج سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے الظھور (ظاہر، نمایاں، واضح)، کہا جاتا ہے تبرجت المراۃ (عورت نے اپنی خوبصورتی کو ظاہر و نمایاں کیا)۔"

لغت و تفسیر کی بہ کثرت کتب میں اس کی صراحت کی گئی ہے: بروج: نجوم، کواکب۔ اس کی ایک مراد سبع سیارات بھی بتائی گئی ہے، یعنی سورج، چاند، عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل۔ یہ وہ سات سماوی اجسام ہیں جو زمین سے خالی آنکھ سے حرکت کرتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔ موجودہ تعریف اور درجہ بندی کے اعتبار سے سورج ایک ستارہ اور چاند ایک ذیلی سیارہ ہے۔ زمین بھی ایک سیارہ ہے۔ چنانچہ، قرآنی لفظ بروج سے مراد یا تو وسیع معنوں میں اجرامِ سماوی ہیں

جن میں ستارے، سیارے اور دوسرے اجسام شامل ہیں یا محدود معنوں میں وہ اجسام مراد ہیں جنھیں زمین سے خالی آنکھ سے حرکت کرتا ہوا دیکھا جا سکتا ہے۔ قرآن اجرامِ سماوی کا ذکر فلکیات کی کسی کتاب کے طور پر نہیں کر رہا، بلکہ کتابِ ہدایت کے طور پر کر رہا ہے۔ اس کا مقصد انسان کو اللہ کی قدرت، علم اور حکمت اور انسان پر اس کی گوناگون نعمتوں کی طرف متوجہ کرنا، اور اس کی باطل نظریات اور اوہام سے ذہنی و فکری تطہیر کرنا ہے۔ ''دیکھنے والوں کے لئے مزین کرنا'' جیسے الفاظ نہ صرف انسان کے جمالیاتی ذوق کو ابھارتے ہیں بلکہ یہ اسے کائنات کے مثبت مطالعے کی تحریک و تشویق بھی دیتے ہیں۔

الفاظ کی تشریح اور حوالہ جات:

شھاب: آگ کا تیز شعلہ یا انگارہ، الشّعلة السّاطعة من النارِ۔ قرآن مجید میں ان معنوں میں یہ استعمال ہوا ہے: اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (سورہ النمل آیت ۷)۔

وأصل البروج: الظهور، ومنه: تبرج المرأة: بإظهار زينتها. وقال الحسن وقتادة: البروج: النجوم، وسميت بذلك، لظهورها وارتفاعها. وقيل: السبعة السيارة منها،

والرجم في اللغة: هو الرمي بالحجارة، ثم قيل: للعن والطرد والإبعاد(الشوكانى)

وحفظنا السماء الدنيا من كلّ شيطان لعين قد رجمه الله ولعنه (طبرى)

الرجيم: الملعون. قال: وقال القاسم عن الكسائي إنه قال: الرجم في جميع القرآن: الشتم۔

بروج: كواكب، نجوم (طبرى)

أي مرجوم ويقال ملعون مبعد من الرحمة

.أنها الكواكب العظام، قاله أبو صالح، يعني السبعة السيارة

.الرابع: أنها النجوم، قاله الحسن وقتادة

.الخامس: أنها البروج الاثنا عشر

وأصل البروج الظهور، ومنه تبرجت المرأة إذا أظهرت نفسها(الماوردى)

والبروج: هي النجوم الكبار، مأخوذة من الظهور، يقال: تبرجت المرأة أي: ظهرت (البغوى)

And, indeed, We have set up in the sky/space above bright heavenly bodies, and endowed them with beauty for all to behold; and We have made them secure against every satanic force accursed - so that anyone who seeks to learn [the unknowable] by stealth is pursued by a flame clear to see.
(Muhammad Asad with some modification)
And We have made it secure against every satan rejected (from God's mercy),
And We have protected it from every devil expelled [from the mercy of Allah]

سورہ الصافات (آیات ٦ تا ٩) میں یہ مضمون ان الفاظ میں آیا ہے:

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۙ﴿٦﴾

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿٧﴾

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿٨﴾

دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿٩﴾

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾

بلاشبہ ہم نے آسمانِ دنیاکو کواکب کی زینت سے مزین کیا ہے۔ اور اسے ہر سرکش شیطان سے محفوظ بنایا ہے۔ یہ (شیطان) ملائے اعلیٰ (عالمِ غیب) کی باتوں کو ہرگز نہیں سن سکتے۔ اور، ان پر ہر طرف سے (اللہ کی رحمت سے دوری کا) پتھراؤ کیا جاتا ہے، انہیں دھتکارنے کے لئے۔ نیز، ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ اگر کوئی (شیطان) کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔

السماء الدنیا: قریب کا آسمان۔ اگر کواکب سے سبع سیارات مراد ہوں تو السماء لدنیا سے ممکنہ طور پر وہ فضائے آسمانی ہوگی جس میں ہمارا نظامِ شمسی موجود ہے۔ لیکن اگر کواکب وسیع معنوں میں تمام سماوی اجسام کے لئے استعمال ہوا ہے تو اس سے ممکنہ طور پر پوری سپیس مراد ہو سکتی ہے۔ غالباً، پہلے معنے مراد ہیں۔ کاہن و نجومی اپنی اندازے بنیادی طور پر سبع سیارات (سات سیارے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے) کی حرکات و مقامات پر ہی رکھتے تھے، اور ان آیات میں کاہنوں اور نجومیوں کی غیب دانی کے دعووں کو رد کیا جا رہا ہے۔ آیات کا تشریحی ترجمہ کچھ اس طرح کیا جا سکتا ہے:

"بلاشبہ ہم نے آسمانِ دنیاکو (دیکھنے والوں کے لئے) کواکب کی زینت سے مزین کیا ہے۔ اور اسے (یعنی عالمِ غیب کو) ہر سرکش شیطان (کاہن و نجومی) کی رسائی سے محفوظ بنایا ہے۔ (یہ نظام اتنا مضبوط ہے کہ) یہ شیطان ملائے اعلیٰ کی باتوں کو ہرگز نہیں سن سکتے۔ اور، ان پر ہر طرف سے (اللہ کی رحمت سے دوری کا) پتھراؤ کیا جاتا ہے، انہیں دھتکارنے کے لئے۔ نیز، ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ اگر کوئی شیطان (کاہن و نجومی) غیب کا کوئی علم اپنے شیطانی طریقوں سے حاصل کرنا چاہتا ہے تو (قرآن کے علم و برہان کا) ایک روشن شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے''۔

نزولِ قرآن کے بعد اس طرح کے دعووں کی کوئی حیثیت نہیں۔

ان شیطان صفت کاہنوں اور نجومیوں کی مذمت اس لئے کی گئی کہ یہ اور ان کے زیرِ اثر مخالفینِ حق وحی اور نبوت و رسالت کے بارے میں التباس (کنفیوژن) پیدا کرتے تھے اور اسے بھی کہانت قرار دیتے تھے۔ ان کا پروپیگنڈا تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ جو کلام پیش کر رہے ہیں وہ من جانب اللہ نہیں اور نہ اسے ملائکہ نازل کرتے ہیں بلکہ اسے جنات آپ

پر القا کرتے ہیں۔ وہ ، نعوذ باللہ ،آپ کو جنات کے زیرِ اثر قرار دیتے تھے۔لہذا ، لوگوں کو ان کی اصل حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔''ان کے لئے دائمی عذاب ہے'' (الصافات) اور ''ان کے لئے بڑھکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے'' (الملک) کے الفاظ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کاہنوں اور ان کے زیرِ اثر لوگوں کی طرف سے پیغامِ قرآنی کی مخالفت کی شدت کیا تھی۔

سورہ الجن کی آیات ۸ تا ۱۰:

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ۙ۸

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ۹

"اور، ہم نے عالمِ بالا (عالمِ غیب)کو ٹٹولنا چاہا (غیب تک رسائی کی طلب و جستجو کی)تو ہم نے اسے سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یہ کہ پہلے تو ہم اس کے بعض مقامات پر سننے کے لئے بیٹھ جایا کرتے تھے، لیکن اب جو کوئی سننے کی کوشش کرے گا تو وہ اپنے لئے کسی شعلے کو انتظار میں پائے گا"۔

سماء: یہاں ممکنہ طور پر عالمِ غیب کے معنوں میں ہے، عام طبیعاتی آسمان جو کھربوں نوری سال تک پھیلا ہو ا ہے اس میں تو عام طبیعاتی مظاہر اور اجسام ہی ہیں۔ اس پسِ منظر کے ساتھ ترجمے میں الفاظ عالمِ غیب یا عالمِ بالا استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

لمسنا: ہم نے طلب و جستجو کی۔

شہاب: شعلہ، شہب: شعلے۔

ان آیات میں جو کلام ہے وہ نہایت بلند ادبی زبان میں ہے، جو قرآن کا معجزانہ اسلوب ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ کلامِ خدا بولنے والوں کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو ہو بہو نقل نہیں کر رہا بلکہ ان کے مافی الضمیر کو اس سورہ کے

آہنگ کے مطابق بلند ترین ادبی زبان میں بیان کر رہا ہے۔ اس قسم کے کلام کی مثالیں قرآنِ مجید میں بکثرت دیکھی جا سکتی ہیں۔

......

سورہ الشعراء آیات ۲۱۰ تا ۲۱۲:

وَ مَا تَنَزَّلَتۡ بِهِ الشَّيٰطِيۡنُ ﴿۲۱۰﴾

وَ مَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهُمۡ وَ مَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ﴿۲۱۱﴾

اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ﴿۲۱۲﴾

"اور، شیاطین اس قرآن کو لے کر نہیں اترے۔ اور نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے (وہ اس لائق ہی نہیں) اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ان کا حال یہ ہے کہ انھیں اس کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے"۔

سورہ الحجر کی آیت 18 سورہ الصفات کی آیت 10 کی طرح ہے۔یہ ایک دوسری کی تشریح کر تی ہیں۔ ان آیات کے منشا تک پہنچنے کے لئے ان میں لفظ إِلَّا کے مفہوم کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

الطبري سے چند متعلقہ اقتباسات:

سَمِعْتُ الضَّحَّاكَ، يَقُولُ فِي قَوْلِهِ} :إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ} [الحجر: 18] هُوَ كَقَوْلِهِ} :إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ] {الصافات: 10] "

وكان بعض نحويي أهل البصرة يقول في قوله: {إلاَّ مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ} هو استثناء خارج، كما قال: ما أشتكي إلا خيراً، يريد: لكن أذكر خيراً. وكان ينكر ذلك من قيله بعضهم، ويقول: إذا كانت «إلا»

بـمعنى «لكن» عملت عمل «لكن»، ولا يحتاج إلـى إضمار «أذكر»، ويقول: لو احتاج الأمر كذلك إلـى إضمار «أذكر» احتاج قول القائل: قام زيد لا عمرو إلـى إضمار «أذكر.«

عن أبـيه، عن ابن عبـاس، فـي قوله: {وَحَفِظْناها مِنْ كُلّ شَيْطانٍ رَجِيـمٍ إلاَّ مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ} قال: أراد أن يخطف السمع، وهو كقوله: {إلاَّ مَنْ خَطِفَ الـخَطْفَةَ}

حدثنـي الـحرث، قال: ثنا القاسم، قال: ثنـي حجاج، عن ابن جريج: {مِنْ كُلّ شَيْطانٍ رَجِيمٍ} قال: الرجيـم: الـملعون. قال: وقال القاسم عن الكسائي إنه قال: الرجم فـي جميع القرآن: الشتـم.

سوره الملک آیت ۵:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾

"اور، یقیناً ہم ہی نے قریب کی آسمانی فضا کو (اجرامِ سماوی کے) چراغوں سے مزین کیا ہے، اور، اسے شیاطین کے لئے ظنون و اوہام کا ذریعہ بنا دیا۔ اور، ان کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

"۔۔۔اور، اسے شیاطین کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب بنا دیا (کہ وہ کہانت کے ذریعے غیب دانی کا دعویٰ کرتے اور لوگوں میں وحی کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں"۔

شیاطین: شیاطین الانس، شریر و سرکش انسان، مراد ہیں سرکش کاہن و نجومی۔ رجوم رجم سے ہے، پتھر مارنا، لعنت ملامت کرنا وغیرہ۔ لعنت: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔ رجیم: اللہ کی رحمت سے دور کیا ہوا۔
تخمینی اور بے تکی باتوں کو بھی رجم کہتے ہیں، اٹکل کے تیر چلانا۔

وَ الۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَ اَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَ اَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ ۝١٩	اور یہ کہ زمین کو ہم ہی نے (انسانوں اور دوسری مخلوقات کے لئے) پھیلایا (اسے وہ شکل دی جس میں وہ موجود ہے) اور اس میں محکم پہاڑ پیدا کیے اور اس میں ہر چیز ایک تناسب کے مطابق اگائی۔
وَ جَعَلۡنَا لَـكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ وَ مَنۡ لَّسۡتُمۡ لَهٗ بِرٰزِقِيۡنَ ۝٢٠	اور، (اے انسانو) ہم نے اس میں تمہارے لئے بھی وسائلِ رزق پیدا کیے اور ان (ذی حیات موجودات) کے لئے بھی جن کی روزی کا بندوبست تم نہیں کرتے۔
وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۚ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝٢١	اور یہ کہ کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں، اور ہم اسے ایک مقررہ پیمانہ کے مطابق ہی وجود میں لاتے ہیں۔
وَاَرۡسَلۡنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسۡقَيۡنٰكُمُوۡهُ ۚ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ لَهٗ بِخٰزِنِيۡنَ ۝٢٢	اور یہ کہ ہم ہی ہواؤں کو (اپنے ودیعت کردہ نظامِ فطرت کے مطابق) بھیجتے ہیں جو پانی کے بخارات سے بھری ہوتی ہیں، پھر ہم ہی بادل سے پانی برساتے ہیں، اور تمہیں اس سے سیراب کر دیتے ہیں۔ اور، یہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم اس کے ذخیرے جمع کر کے رکھتے۔
وَاِنَّا لَنَحۡنُ نُحۡىٖ وَنُمِيۡتُ وَنَحۡنُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۝٢٣	اور یہ کہ بیشک ہم ہی ہیں کہ زندگی عطا کرتے ہیں اور ہم ہی موت سے ہمکنار کرتے ہیں اور یہ کہ ہم ہی (سب کے) وارث ہیں (بقا صرف ایک ہم ہی کو حاصل ہے)۔

ارض کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اس کا ذکر ایک موجود کے طور ہو رہا ہے، یہ نتیجہ "اس میں" (فیھا) سے نکالا جا سکتا ہے جو اس آیت اور اگلی آیت میں استعمال ہوا ہے۔ زمین کو پھیلایا یعنی اسے وہ شکل دی جس میں وہ ہے۔ زمین ایک بہت بڑا جسم ہے، اس کی شکل ایک طرح کی گول شکل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ زمین کا اندرونی حصہ سخت گرم اور لاوے کی طرح ہے۔ زمین کی سطح (جسے قشرِ ارض، ارتھ کرسٹ کہتے ہیں) زمین کے اندر موجود نہات گرم مادے کے اوپر بچھا ہوا اور پھیلا ہوا ہے۔پہاڑ زمین کے اندر گہرائی تک گئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ارضیاتی سرگرمیاں اور اعمال (جیولوجیکل پروسسز) ہر آن جاری رہتے ہیں

الْوٰرِثُوْنَ: الباقون، يفنى الخلقُ كله؛ فيبقى هو۔ ہر شے کو فنا ہے، بقا صرف ایک ہی ہستی کے لئے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ کائنات اللہ کی ہے، دنیا میں جس کے پاس جو کچھ ہے اللہ کا عطا کردہ ہے، ہر چیز کا مالک و مختار وہی ہے۔

وَ لَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَ لَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَاۡخِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾	اور یہ کہ یقیناً ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو (اے لوگو!) تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور یقیناً ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں۔(کوئی ہم سے پوشیدہ نہیں، حساب کے لیے سب نے جمع ہونا ہے)۔
وَ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ یَحۡشُرُہُمۡ ؕ اِنَّہٗ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۵﴾ ع	اور ،(اے رسولِ کریم ﷺ) بیشک آپ کا رب ہی ہے جو ان (سب لوگوں کو، قیامت کے دن) جمع کرے گا۔ بیشک وہ حکیم و علیم ہے (بڑا دانا اور سب کچھ جاننے والا)۔

اللہ تعالیٰ الحکیم ہے اس نے ہر شے حکمت و مقصدیت کے ساتھ اور نہایت محکم اصولوں کے مطابق تخلیق فرمائی ہے۔ انسان مہمل اور بے مقصد تخلیق نہیں، یہ اپنے اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہے۔ وہ العلیم ہے، ہر

وجود، ہر عمل اور ہر حرکت اس کے علم میں ہے۔ انسان کوئی عمل اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور یہ کہ کیوں کرنا ہے۔

الحكيم: هو الذي يضع الأشياء مواضعها؛ هو الذي يجعل الأشياء مواضعها. فالأول قد يعرف الخلق وضع الأشياء مواضعها.

عَلِيمٌ :عليم بمصالح الخلق، وما لهم وما عليهم. أو عليم بوضع الأشياء مواضعها.

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲۶﴾	اور یہ کہ یقیناً ہم ہی نے انسان کو پانی اور مٹی کے تغیر شدہ آمیزے کی (منتخب عناصر پر مشتمل) عمدہ مٹی سے (ایک سلسلہ ٔ عمل کے تحت) پیدا کیا ہے۔

حَمَاٍ: کیچڑ، پانی اور مٹی کا آمیزہ۔ مسنون: تغیر شدہ، متغیر، تبدیلیوں سے گزرتا ہوا۔ صلصال: عمدہ مٹی، منتخب عناصر پر مشتمل مٹی۔

متبادل معنے: تغیر و تبدل سے گزرتے ہوئے کیچڑ کی عمدہ مٹی یا کھنکنے والی مٹی سے پیدا کیا، سن رسیدہ تبدیل شدہ دلدلی کیچڑ سے حاصل شدہ یا ماخوذ عمدہ مٹی سے پیدا کیا، حما مسنون سے حاصل شدہ یا ماخوذ صلصال سے پیدا کیا، صلصال سے یعنی حما مسنون سے پیدا کیا، صلصال سے پیدا کیا جو کہ حما مسنون ہے، وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ قانون اور اس کے ارادہ کے مطابق بہت زمانہ پہلے پانی کے ماحول اور واسطہ (میڈیم) میں پڑی مٹی (یعنی غیر نامیاتی مادہ) ایک طویل عرصے میں پیچیدہ کیمیائی (اور بعد ازاں، حیاتیاتی) تغیر و تبدل سے گزرتے ہوئے بالآخر زندگی کی نہایت سادہ شکلوں میں ظاہر ہوئی۔ زندگی کی ان سادہ شکلوں سے ایک لمبے ارتقائی سلسلہ ٔ عمل کے تحت بالآخر انسان وجود میں آیا۔ یہ سب اللہ کے قانون، اس کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہوا۔

یہاں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انسانی تخلیق کی طرف قرآنی حوالوں سے اس کتابِ ہدایت کا مقصد انسانی تخلیق کی سائنسی تشریح کرنا نہیں ہے۔ قرآن اپنے آپ کو سائنس کی کتاب (اور اسی طرح، کسی اور شعبہ ءِ علم کی کتاب) کے طور پر پیش نہیں کرتا۔ وہ اپنے آپ کو بار بار کتابِ ہدایت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ان آیات میں وہ انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی صفات (قدرت، خلاقیت، ربوبیت، علم، حکمت، وغیرہ) کی طرف مبذول کرتا ہے۔ کائنات اور اس میں انسان اللہ تعالیٰ کی بامقصد تخلیق ہے۔انسان ایک اخلاقی وجود ہے، اس کے لئے دنیا کو دار الامتحان کا درجہ حاصل ہے، شیطان اللہ تعالیٰ کی انسانی تخلیق کی اسکیم میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے تا کہ وہ انسان کو بدی پر ابھارے اور انسان اسے رد کر کے اخلاقی و روحانی ارتقاء کے مراحل طے کر سکے۔

انسان کی تخلیق کے حوالے سے قرآن نے کئی الفاظ استعمال کئے ہیں: تراب، طین، طین لازب، حما، صلصال، سلالہ من طین، بداء خلق الانسان من طین۔ تراب، طین، حما، صلصال مٹی کی مختلف شکلیں ہیں۔ قرآن نے موقع محل اور متن کی منشا کے مطابق ان کا استعمال کیا ہے۔ سیاق و سباق پر غور کرکے ان کے استعمال کی معنویت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

سلالہ من طین (مٹی یا کیچڑ کا خلاصہ یا منتخب حصہ) سے واضح ہے کہ انسان کی تخلیق کل مٹی سے نہیں ہوئی بلکہ اس کے منتخب اجزا یا عناصر سے ہوئی ہے، بداء خلق الانسان من الطین (اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا کیچڑ سے کی) کا مطلب ہے کہ انسان کی تخلیق ایک مرحلہ وار اور تدریجی عمل سے ہوئی ہے، اس کی تخلیق کی ابتدا طین سے ہوئی ہے اور وہ کئی مراحل طے کرکے اپنی شکل میں ظاہر ہوا ہے، اس بات کو قرآن نے تسویہ اور نفختُ فیہِ مِن روحی کے لفظ سے بھی بیان کیا ہے۔ حما مسنون میں تغیر و تبدل کے ان مراحل کی طرف اشارہ ہے جس سے پانی میں پڑا غیر نامیاتی مادہ ایک طویل زمانے میں گزرا ہے۔ طین لازب میں مادی اجزا (عناصر و مرکبات) کے آپس میں جڑنے کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔(مجازی طور پر اس میں انسان کے ایک معاشرتی مخلوق ہونے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے،

یعنی انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر، وابستہ ہو کر، رہتے بستے ہیں)۔ صلصال اگر کھنکنے والی مٹی کے مفہوم میں ہو تو اس میں انسان کے بولنے کی صلاحیت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اس کے ایک اور معنی متغیر ہیں جس میں بھی حقیقی اور مجازی دونوں طرح کی معنویتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مادے میں کیمیائی تغیر و تبدل ہوا تو زندگی نمودار ہوئی اور انسان جسمانی سطح پر وجود میں آیا۔ انسان کے مزاج، طرزِ عمل، رہن سہن اور طور طریقوں میں تغیر و تبدل ایک جاری عمل ہے۔ صلصال اگر عمدہ مٹی کے معنوں میں ہو تو اس سے مادے کے وہ منتخب اجزا مراد ہو سکتے ہیں جن کی طرف سلالہ من طین میں اشارہ ہے۔ خلاصہ یہ کے ہم ان آیات کو حقیقی اور مجازی دونوں طرح کے معنوں میں سمجھ سکتے ہیں۔

(یہاں، یہ بتانا بھی فائدے کا باعث ہو گا کہ حما مسنون کا ترجمہ سڑا ہوا گارا یا بدبودار گارا کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ سڑنے کا عمل خورد بینی جانداروں (مائیکروبس، بیکٹیریا وغیرہ) کے عمل کے تحت اور نامیاتی مادے (نباتات اور حیوانات کے باقیات) میں ہوتا ہے۔ عام کیچڑ اسی لئے سڑتا ہے اور اس سے بدبو آتی ہے کہ اس میں پودوں اور جانوروں کے باقیات پڑے ہوتے ہیں جن پر بیکٹیریا وغیرہ عمل کر رہے ہوتے ہیں، خالص مٹی (غیرنامیاتی عناصر یا مرکبات) کے سڑنے کے کوئی معنے نہیں۔ علاوہ ازیں، زندگی کی ابتدا سے پہلے مادہ میں جو تبدیلیاں آئیں ان پر بھی سڑنے کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہے۔)

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، صلصال کے کئی معنے بیان کیے گئے۔ طبری کہتے ہیں: واختلف أهل التأويل في معنى الصلصال۔
الطين اليابس لم تصبه نار، فإذا نقرتَه صَلَّ فسمعت له صلصلة، التراب المرقَّق، الصلصال: الماء يقع على الأرض الطيبة ثم يحسَرُ عنها، فتشقق، ثم تصير مثل الخزَف الرقاق، الصلصال: الذي يصلصل، مثل الخزَف من الطين الطيب، الصلصال: طين صُلْب يخالطه الكثيب، التراب اليابس، الطين اليابس يسمع له صلصلة، الصلصال: المُنْتِن ......

اسی طرح، مسنون کے بھی کئی معنے بیان کیے گئے ہیں۔

الحمأ: جمع حمأة، وهو الطين المتغيّر إلى السواد. وقوله (مَسْنُونٍ) يعني: المتغير۔ الحمأ المسنون، وقيل: هو الطين الأسود المتغير،

چند آیات جن میں انسان کی تخلیق کا ذکر ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ، خَلَقَكُم مِّن طِينٍ، مِّن طِينٍ لَّازِبٍ، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ، خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ۔

أو أن يكون على التشبيه والتمثيل، ووجه التمثيل بالطين: الذي ذكر؛ وهو أن الطين الذي يكون كالصلصال، والفخار، واللازب؛ ونحوه هو الطين الطيب؛ الذي يكون منه البنيان، والأواني، والقدور، وجميع أنواع المنافع. وأما الطين الذي يخبث فإنه لا يتخذ منه شيء مما ذكرنا؛ ولا يتهيأ اتخاذ شيء من ذلك، فشبه خلق آدم بالطين الذي يجتمع فيه جميع أنواع المنافع، فعلى ذلك جمع في آدم جميع أنواع المنافع والخير، كالطين الطيب.

ثم فيه دلالة قدرته، وسلطانه، وذكر نعمه۔

اس موضوع پر راقم نے کثرت سے لکھا ہے، تفصیل راقم کی کتب اور مضامین میں دیکھی جا سکتی ۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾	اور، جان (ایک طرح کی غیر مرئی مخلوق) کو ہم نے اس سے پہلے بے دھوئیں کی تیز آگ سے پیدا کیا۔

قال بعضهم: الجانّ: هو إبليس. وقال بعضهم: الجانّ: هو أبو الجن، وإبليس: هو أبو الشياطين۔

نار السموم: نار الشديد الحر، نار السموم، نار لا دخان لها۔ بے دھوئیں کی تیز آگ ممکنہ طور پر ایک طرح کی غیر مادی توانائی کی تعبیر ہے۔ قرآن کا مقصد جن و انس کی تخلیق کی سائنسی تشریح کرنا نہیں۔ قرآن خود اپنی تعریف کے مطابق کتابِ ہدایت ہے۔ سائنسی نظریے پیش کرنا نہ تو اس کی غایت ہے اور نہ وہ ایسا کرتا ہے۔ قرآن کی

زبان ادب کی زبان ہے نہ کہ سائنس کی یا انسانی درجہ بندی کے مطابق کسی اور شعبۂ علم کی۔ یہ ادب کا شاہپارہ ہے اور اس کی آیات کی تشریح کرتے ہوئے یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۸	(ضروری ہے کہ انسان ابلیس کے بہکاوے سے اپنی حفاظت کرے) اور، یاد کیجئے جب آپ کے رب نے ملائکہ سے کہا تھا کہ میں تغیر شدہ کیچڑ کی مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔
فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝۲۹	پس، جب میں اسے (اپنے ارادے کے مطابق) ٹھیک بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے خاص روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔
فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۳۰	پس، تمام کے تمام ملائکہ اس کے سامنے جھک گئے۔
اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝۳۱	لیکن ابلیس نہ جھکا۔ اس نے انکار کر دیا کہ وہ جھکنے والوں کے ساتھ ہو۔
قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝۳۲	اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! کیا وجہ ہے کہ تو جھکنے والوں کے ساتھ نہیں ہوا؟
قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۳۳	اس نے کہا: میں نے گوارا نہیں کیا کہ میں اس بشر کے سامنے جھک جاؤں جسے تو نے متغیر کیچڑ کی مٹی سے پیدا کیا ہے۔
قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝۳۴	اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر یہ بات ہے تو اس (مقام) سے نکل جا، پس تو مردود ہے (رحمت سے دور کیا گیا)۔ اور یہ کہ تجھ پر روزِ جزا تک رحمت سے دوری ہے۔ اس نے کہا: اے میرے رب اگر ایسا ہے تو مجھے لوگوں کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے دن تک مہلت دے۔

وَّاِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ
الدِّيۡنِ ۝٣٥
قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ
يُبۡعَثُوۡنَ ۝٣٦
قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَۙ ۝٣٧
اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ۝٣٨
قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمۡ
فِى الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَۙ ۝٣٩
اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ۝٤٠
قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسۡتَقِيۡمٌ ۝٤١
اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ
سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ
الۡغٰوِيۡنَ ۝٤٢
وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوۡعِدُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ ۝٤٣

فرمایا: پس (جا)، تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے۔ اس دن تک جس کا وقت مقرر ہے۔

وہ بولا: ۔اے رب اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بھٹکا دیا، میں زمین میں ان کے لئے (برے اعمال کو) ضرور خوشنما بنا دوں گا، اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ مگر جو ان میں تیرے پسندیدہ بندے ہوں گے (وہ مجھ سے محفوظ رہیں گے)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ہے سیدھا راستہ جو میری طرف آتا ہے۔ بیشک، میرے بندوں پر تیرا کوئی اختیار نہیں چلے گا، تیرا زور انہی پر چلے گا جو گمراہوں میں سے تیری پیروی کریں گے۔

اور یہ کہ، بیشک ان سب سے (ہمارے قانونِ فطرت کے مطابق) جہنم کا وعدہ ہے۔

اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لئے ان (لوگوں) کا ایک حصہ مخصوص ہے۔

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾	

قرآن کا قصہ ءِ آدم ایک تمثیل ہے، قرآنی متن کے مضبوط دلائل سے یہ بات ثابت ہے۔ تمثیل کے پیرائے میں انسان کی فطرت (نیچر) اور اس کے مقصدِ وجود کو بیان کیا گیا ہے۔ راقم نے اپنی دوسری تحریروں میں اس کی تفصیل سے وضاحت کی ہے۔

"وانما خلق الله ابليس ليميز به العدو من الحبيب والشقي من السعيد فخلق الله الانبياء ليقتدى بهم السعداء وخلق ابليس ليقتدى به الاشقياء ويظهر الفرق بينهما" (تفسير روح البيان في تفسير القرآن/ اسماعيل حقي)۔ ("اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس لئے پیدا فرمایا کہ اس کے ذریعے یہ امتیاز ہو جائے کہ انسانوں میں اللہ تعالیٰ کا دوست کون ہے اور دشمن کون، اور کون سعادت مند ہے اور کون بدبخت۔ پس، اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام پیدا فرمائے تاکہ سعادت مند ان کی پیروی کریں اور اس نے ابلیس کو پیدا فرمایا تاکہ بد بخت اس کی پیروی کریں اور اس طرح سعادت مندوں اور بدبختوں میں فرق ظاہر ہو جائے")۔

(اور، دیکھیں، جب آپ کے رب نے (کائنات میں اپنے ودیعت کردہ نظام کے مطابق) ملائکہ پر (ان کے حسبِ حال طریقہ سے) اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ میں (زمین میں) تغیر شدہ کیچڑ سے ماخوذ مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ پس، جب میں اسے اپنے قانونِ قدرت کے ذریعے اپنے ارادے کے مطابق ٹھیک ٹھیک بنا چکوں، اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔)

سَوَّيْتُهُ أي أتممته؛ صورته بالصورة الانسانية والخلقة البشرية۔

جہنم کے سات دروازے ممکنہ طور پر اس کی وسعت کی تعبیر ہے۔ عربی میں سات کا عدد کثرت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جہنم اور اسی طرح جنت کی نوعیت (نیچر) متشابہات میں سے ہے۔ ان کی ڈسکرپشن کے لئے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ ہمارے جانے پہچانے ہیں مگر ان کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

نفخت فیه من روحی (اپنی روح سے پھونک دوں): یہ مجازی اور استعاراتی کلام ہے۔ اس کا مطلب ہے اسے خود شعوریت کا حامل وجود بنا چکوں۔ خود شعوریت یعنی ارادہ و اختیار کی وہ صلاحیت جو اسے ایک اخلاقی وجود بناتی ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ۝٤٥ ادْخُلُوهَا بِسَلَٰمٍ ءَامِنِينَ ۝٤٦ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَٰنًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَٰبِلِينَ ۝٤٧ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُم مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۝٤٨	بیشک، اہلِ تقویٰ (اس روز) باغوں اور چشموں (کی نعمتوں) میں ہوں گے۔ (انہیں کہا جائے گا:) داخل ہو جاؤ ان (جنتوں) میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر۔ اور یہ کہ، (اس روز) جو کچھ ان کے دلوں میں رنجش ہو گی ہم اس کو بھی دور کر دیں گے اور وہ بھائی بھائی بن جائیں گے، اور تختوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ انہیں اس میں نہ تو کوئی رنج لاحق ہو گا اور نہ انہیں اس سے نکالا ہی جائے گا۔
نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝٤٩ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۝٥٠	(اے رسولِ کریم ﷺ) میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ میں بلاشبہ الغفور (بہت مغفرت فرمانے والا)، الرحیم (ہمیشہ رحم فرمانے والا) ہوں۔ اور یہ کہ میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔

یہ انسان کی تخلیق کی الٰہی سکیم کا بنیادی اصول ہے۔ جزا اور سزا کا ہمہ گیر قانون۔انسان ارادہ و اختیار کا حامل وجود ہے، اس کے سامنے اخلاقی چوایسز رکھی گئی ہیں، حق و باطل، خیر و شر اور نیکی و بدی کی شکل میں۔ انسان اپنے اختیار کردہ راستے کی بنیاد پر خود کو یا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حقدار ٹھہرا لیتا ہے یا اس کے عذاب کا۔

وَ نَبِّئۡهُمۡ عَنۡ ضَيۡفِ اِبۡرٰهِيۡمَ ۘ‏ ﴿۵۱﴾	چنانچہ، (اے رسولِ کریم ﷺ) ان (لوگوں) کو ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا احوال سنائیے۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: آپ پر سلام ہو۔ آپ نے کہا: ہم تو تم سے خوف محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: آپ خوف محسوس نہ کریں،(ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں اور) آپ کو ایک صاحبِ علم بچے (کی پیدائش) کی خوشخبری دیتے ہیں۔
اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ‏ ﴿۵۲﴾	
قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيۡمٍ‏ ﴿۵۳﴾	
قَالَ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِىۡ عَلٰٓى اَنۡ مَّسَّنِىَ الۡكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ‏ ﴿۵۴﴾	آپ نے کہا: تم مجھے یہ خوشخبری اس حال میں دے رہے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے، سو تم کس بنیاد پر یہ خوشخبری دے رہے ہو۔
قَالُوۡا بَشَّرۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِيۡنَ‏ ﴿۵۵﴾	انہوں نے کہا: ہم نے آپ کو سچی خوشخبری دی ہے۔ پس، آپ مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہو جایئے۔
قَالَ وَمَنۡ يَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ‏ ﴿۵۶﴾	آپ نے کہا: اپنے رب کی رحمت سے کون مایوس ہوتا ہے، اس کی رحمت سے تو صرف گمراہ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: اے (اللہ کے) فرستادو تم کس اہم کام کے لئے آئے ہو؟

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾	انہوں نے جواب دیا: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ انہیں ان کے انجام تک پہنچائیں)۔ (یہ قومِ لوط ہے۔ سب عذاب کا سامنا کریں گے) مگر آلِ لوط اس سے محفوظ رہیں گے، ہم ان سب کو بچا لیں گے۔ بجز لوط (علیہ السلام) کی بیوی کے کہ ہم نے (اللہ کے حکم سے) یہ قرار دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گی۔
.	
فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾	پس جب اللہ تعالیٰ کے یہ فرستادے آلِ لوط کے پاس آئے (تو دیکھو کیا ہوا)۔ لوط علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر کہا: تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔ انہوں نے کہا: (ہم اجنبی نہیں ہیں) بلکہ (اللہ کے فرستادہ ہیں اور) آپ کے پاس وہ چیز (یعنی مکافاتِ عمل کا عذاب) لے کر آئے ہیں جس (کی صداقت) میں یہ (لوگ) شک کرتے تھے۔ اور، ہم آپ کے پاس ایک امرِ یقینی لے کر آئے ہیں اور ہم بلاشبہ سچ کہہ رہے ہیں۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ
اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ
امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾

پس، آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ (یہاں سے) چلے جائیے، (جب روانہ ہوں تو) خود آپ ان کے پیچھے پیچھے چلئیے، اور یہ کہ تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور، جہاں کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہاں چلے جائیے۔

وَ قَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ
هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾

اور، ہم نے لوط علیہ السلام کو اپنے اس فیصلے سے (بذریعہ وحی) آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

وَ جَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ
يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور یہ کہ (اس سے قبل یہ سن کر کہ لوط علیہ السلام کے پاس کچھ نوجوان آئے ہیں) شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا
تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾

لوط علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرے مہمان ہیں (ان کو پریشان کر کے) مجھے (عام لوگوں میں) شرمسار نہ کرو۔ اور یہ کہ اللہ (کے غضب) سے ڈرو اور مجھے (ان مہمانوں کی نظر میں) رسوا نہ کرو۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾

قَالُوْٓا اَوَ لَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾

انہوں نے کہا: (اے لوط) کیا ہم نے تمھیں منع نہیں کیا کہ دوسرے لوگوں کے معاملات میں دخل نہ دیا کرو۔ (ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ)۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ
فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾

آپ نے فرمایا: اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ میری (قوم کی) بیٹیاں (تمھاری بیویاں) ہیں (ان کے حقوق ادا کرو اور فطرت کا راستہ اپناؤ)۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ ۙ﴿۷۳﴾ فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ؕ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ﴿۷۷﴾	(اے رسولِ کریم ﷺ) آپ کی زندگی کی قسم وہ اپنی بد مستی میں بھکے بھکے پھر رہے تھے۔ پس، دن نکلتے ان کو (عذاب کی) ایک سخت کڑک نے آپکڑا۔ سو، ہم نے ان کی بستی کو زیر و زبر کر دیا اور ان پر سنگِ گل کے پتھروں کی بارش کر دی۔ بے شک، اِس واقعہ میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے (عبرت کی) بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ بستی ایک عام گزرگاہ پر واقع ہے (جس سے لوگ خوب آگاہ ہیں)۔ بے شک، اِس میں اہلِ ایمان کے لیے بڑی نشانی ہے۔
وَلاَ يَلۡتَفِتۡ: لا يتخلف منكم أحد وامضوا حيث تؤمرون.	
وَ اِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ لَظٰلِمِيۡنَ ۙ﴿۷۸﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ ۘ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ؕ﴿۷۹﴾ وَ لَقَدۡ كَذَّبَ اَصۡحٰبُ الۡحِجۡرِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۙ﴿۸۰﴾	اور، کچھ شک نہیں کہ ایکہ کے باشندے (یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ) بھی بڑے ظالم تھے۔ پس، ہم نے ان سے بھی (اپنے قانونِ مکافات کے مطابق) انتقام لیا۔ یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں (ہر خاص و عام ان سے آگاہ ہے۔) اور، بیشک اہلِ حجر (یعنی حضرت صالحؑ علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے بھی (اپنے نبی کو جھٹلا کر ہمارے سب) رسولوں کی تکذیب کی تھی۔ ہم نے انہیں اپنی نشانیاں عطا کی تھیں مگر وہ ان سے روگردانی

وَ اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾	ہی کرتے رہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ پہاڑوں کو تراش کر ان میں گھر بناتے اور بے خوف و خطر ان میں رہتے تھے۔ لیکن، (ان کی نافرمانیوں کے سبب) ان کو جب وہ صبح اٹھ رہے تھے (ہمارے عذاب کی) ایک کڑک نے آپکڑا (اور وہ تباہ و برباد ہو کر رہ گئے)۔ پس، وہ (مال و اسباب) جو وہ کمایا کرتے تھے ان کے کچھ کام نہ آیا۔

ایکہ: لغوی معنی گھنے درختوں کا علاقہ، بن۔ یہ وہ بستی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ یہ یا تو مدین ہی کا دوسرا نام ہے، یا یہ اس سے علاحدہ علاقہ ہے اور حضرت شعیب ان دونوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔

الحجر: یہ قومِ ثمود کا علاقہ ہے جس کی طرف حضرت صالحؑ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔ یہ حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾	اور یہ کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ ان کی تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ اور، بیشک (فیصلے کی) گھڑی ضرور آئے گی (اور ہر کوئی اپنے اعمال کے لئے

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۸۶﴾	جواب دہ ہو گا)۔ پس، (اے رسولِ کریمﷺ) آپ ان (مخالفینِ حق) سے عمدگی کے ساتھ در گزر فرمائیں۔ بیشک آپ کا رب ہی الخلاق العلیم (عظیم تخلیقی طاقت کا مالک، سب کچھ جاننے والا) ہے (وہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور سب کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی، اللہ ان کے اعمال سے خوب آگاہ ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں)۔
وَ لَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ وَ الۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ وَ لَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَ اخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۸﴾	اور یہ کہ بیشک ہم نے آپ کو سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ اور قرآنِ عظیم عطا کیا ہے (یہ وہ دولت ہے جس کے سامنے کائنات کی ہر دولت بے معنی ہے)۔آپ (حسبِ معمول) ان (مادی)چیزوں کی طرف جن سے ہم نے ان لوگوں کے مختلف گروہوں کو لطف اندوز کیا ہے، آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیئے۔ اور نہ (ان کے حال پر) رنجیدہ خاطر ہوں (جن پر آپ کی دعوت کا کوئی اثر نہیں ہو رہا)۔ اور، اپنے شفقت کے پروں کو اہلِ ایمان کے لئے (حسبِ معمول) جھکائے رکھیئے۔

سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ کی تشریح کئی طرح سے کی گئی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے امام طبری، امام زمخشری، امام فخر الدین رازی اور دوسرے مفسرین کی تفاسیر۔ عام طور پر اس کا مفہوم کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے: "بے شک ہم نے آپ کو (سورہ فاتحہ کی) سات (آیتیں) جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآنِ عظیم عطا فرمایا ہے۔"

اس تشریح کے اپنے مسائل ہیں، مثلاً سبع (سات) سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں: {آتيناك سَبْعًا } يحتمل أن يكون سبعاً من الآيات وأن يكون سبعاً من السور وأن يكون سبعاً من الفوائد. وليس في اللفظ ما يدل على التعيين.

اسی طرح، المثانی کے معنی؟ اس کا بنیادی معنی بار بار پڑھا جانا یا دہرایا جانا نہیں ہے، بلکہ دو دو ہونا یا جوڑا جوڑا ہونا ہے، اس کے علاوہ اس کے اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں۔ (دیکھئے مختلف تفاسیر)۔

وأما المثاني: فهو صيغة جمع. واحده مثناة، والمثناة كل شيء يثنى، أي يجعل اثنين من قولك: ثنيت الشيء إذا عطفته أو ضممت إليه آخر، ومنه يقال: لركبتي الدابة ومرفقيها مثاني، لأنها تثنى بالفخذ والعضد، ومثاني الوادي معاطفه--- إذا عرفت هذا فنقول: سبعاً من المثاني مفهومه سبعة أشياء من جنس الأشياء التي تثنى ولا شك أن هذا القدر مجمل ولا سبيل إلى تعيينه إلا بدليل منفصل وللناس فيه أقوال۔ (امام رازی)

المثانی کا مفہوم بھی کئی طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک تشریح میں اس سے مراد سورہ الفاتحہ ہے، جب کہ دوسری تشریح میں اس سے پورا قرآن مراد ہے۔

المثاني: هو القرآن كله؛ كقوله: ﴿ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ ٱلْحَدِيثِ كِتَاباً مُّتَشَابِهاً مَّثَانِيَ﴾؛ سَبْعاً مِّنَ ٱلْمَثَانِي: سبعاً من القرآن العظيم۔

يجوز أن يكون المراد بالسبع الفاتحة، لأنه سبع آيات، ويكون المراد بالمثاني كل القرآن ويكون التقدير: ولقد آتيناك سبع آيات هي الفاتحة وهي من جملة المثاني الذى هو القرآن وهذا القول عين الأول والتفاوت ليس إلا بقليل والله أعلم. (امام رازی)

۔۔۔۔

سورہ فاتحہ ام الکتاب اور ام القرآن ہے۔ یہ قرآنِ مجید میں مرکز و محور کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کی بنیادی تعلیمات اس سورہ میں مجمل طور پر بیان کر دی گئی ہیں اور باقی سارا قرآن اس کی تفسیر و تشریح ہے۔ اس طرح، گویا، سورہ فاتحہ قرآنِ مجید کی دوسری سورتوں میں سے ہر سورت کے ساتھ جوڑا بناتی ہے۔ سورہ فاتحہ ہدایت کے جن بنیادی اصولوں کی جامع ہے قرآن کی باقی سورتوں میں انہیں اصولوں کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں، قرآن ایک منظم کلام ہے۔ اس کی آیات آپس میں ہم آہنگ ہیں۔ بنیادی مضامین موقع محل کے مطابق مختلف انداز میں بیان ہوئے ہیں، اسے تصریف الآیات کہا جاتا ہے۔ ایک جیسے مضمون کی آیات ایک دوسری کی تشریح کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر خود مثانی کا لفظ قرآن میں دو جگہ استعمال

ہوا ہے۔ یہ آیات ایک دوسری کی تشریح میں ہماری مدد کرتی ہیں۔ سورہ الذمر میں ہے: ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحۡسَنَ ٱلۡحَدِيثِ كِتَٰباً مُّتَشَٰبِهاً مَّثَانِيَ؛ جبکہ سورہ الحجر میں ہے: سَبۡعاً مِّنَ ٱلۡمَثَانِي۔

سبع (سات) کا عدد عددِ تکثیری کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں پر بھی یہ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہو۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم کیا ہو گا؟ ہدایت کی عمدہ ترین تعلیمات (احسن الحدیث) جو ایک دوسری کے ساتھ اس طرح جوڑا جوڑا ہیں کہ ایک نظم میں پروئی ہوئی ہیں اور ایک دوسری کی تشریح کرتی ہیں۔ یہ أَحۡسَنَ ٱلۡحَدِيثِ كِتَٰباً مُّتَشَٰبِهاً مَّثَانِيَ، سَبۡعاً مِّنَ ٱلۡمَثَانِي اور الۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ ہے۔

اگر ہم سورہ الحجر کی آیت کو اس کے سیاق وسباق میں رکھ کر اور اس کے بعد والی آیت کے تناظر میں دیکھیں تو اس کی ایک ممکنہ تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے:

ہم نے آپ کو حقیقی فوز و فلاح کے کامل اصولوں کی جامع کتاب عطا کی ہے جس کے اجزا جوڑوں کی صورت میں ہم آہنگ ہیں یعنی نہایت عظمت والا قرآن۔

السبع : يراد بها الكثرة في الآحاد، كالسبعين في العشرات. و (المثاني) جمع مثنى بمعنى التثنية أو الثناء، فإنه تكرر قراءته أو ألفاظه أو قصصه ومواعظه. أو مثنى عليه بالبلاغة والإعجاز. أو مثنى على الله تعالى بأفعاله العظمى وصفاته الحسنى۔ (جمال الدين القاسمى محاسن تاويل)۔

ایک اور تشریح یوں کی گئی ہے:

"تحقیق ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جنکا مضمون (قرآن میں) بار بار دہرایا جاتا ہے (یہ سورت فاتحہ ہے جو متن قرآن ہے اور باقی قرآن میں اس کی تشریح لائی جاتی ہے، اس لئے فرمایا) اور بڑا قرآن بھی (تجھے دیا)" (خواجہ احمد الدین)

وَ قُلۡ اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِیۡرُ الۡمُبِیۡنُ ۚ﴿۸۹﴾ کَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَی الۡمُقۡتَسِمِیۡنَ ﴿ۙ۹۰﴾ الَّذِیۡنَ جَعَلُوا الۡقُرۡاٰنَ عِضِیۡنَ ﴿۹۱﴾	اور، (اے رسولِ اکرم ﷺ! مخالفینِ حق سے) فرمائیے: (اے لوگو) بیشک میں (اللہ کی طرف سے) وہی النذیرالمبین (واضح طور پر خبردار کرنے والا) ہوں (جس کی آمد کی بشارت دی جاتی رہی ہے)۔ (میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں خبردار کرتا ہوں، وہ فرماتا ہے: اگر تم مخالفتِ حق سے باز نہ آئے تو تم پر بھی ہم مکافاتِ عمل کے طور پر اسی طرح عذاب نازل کریں گے) جس طرح ہم نے (گزشتہ زمانوں میں) ان (احکاماتِ الٰہی کو اپنی پسند کے مطابق) تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا تھا، جنھوں نے (اپنے) قرآن (اللہ کے کلام) کو پارہ پارہ کردیا تھا (من پسند تعبیرات کے ذریعے)۔
فَوَ رَبِّکَ لَنَسۡـَٔلَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿ۙ۹۲﴾ عَمَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾	پس آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ان کے ان اعمال کی بازپرس کریں گے، جو یہ (اپنی زندگی میں) کرتے رہے ہیں۔
فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۴﴾	سو، (اے رسولِ کریم ﷺ) آپ کو (ہماری طرف سے نوعِ انسانی کی ہدایت کا) جو حکم ملا ہے اسے کھول کر سنا دیجئے، اور اہلِ شرک کی (مخالفت کی) پروا نہ کیجئے۔
اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَہۡزِءِیۡنَ ﴿ۙ۹۵﴾ الَّذِیۡنَ یَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ۚ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۶﴾	ہم ان مذاق اڑانے والوں کے خلاف آپ کے لئے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ٹھہراتے ہیں (یہ یقیناً ناکام و نا مراد ہوں گے)۔ پس، وہ عنقریب جان لیں گے (کہ حقیقت کیا ہے)۔

آیت قُلۡ اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِیۡرُ الۡمُبِیۡنُ کا ترجمہ علامہ محمد اسد نے اس طرح کیا ہے:

and say: "Behold, I am indeed the plain warner [promised by God]

اس کی تشریح میں وہ لکھتے ہیں:

The above interpolated phrase offers, to my mind, the only satisfactory explanation of the Definite articles prefixed to the words an-nadhir al-mubin ("the plain warner"). This construction possibly alludes to the Biblical prediction of the advent of the Prophet Muhammad appearing in Deuteronomy xviii, 15 and 18, which has been discussed by me in surah 2, note 33.

میں نے آیتِ مبارکہ کی تشریح علامہ موصوف کے ترجمہ کی بنیاد پر کی ہے۔

\-\-\-\-\-\-\-\-

وقال بعضهم: هو على التقديم: أي: آتيناك المثاني والقرآن العظيم؛ أنزلناه عليك كما أنزلنا التوراة والإنجيل على اليهود والنصارى؛ فهم المقتسمون كتاب الله؛ فآمنوا ببعض وكفروا ببعض.

"ہم نے تمھیں سبع مثانی اور قرآن عظیم اسی طرح عطا کیا ہے جس طرح ان لوگوں پر اپنا کلام اتارا تھا جنھوں نے اس کے حصے بخرے کرکے اپنے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دیے۔ یہ اشارہ یہود کی طرف ہے جنھوں نے حق کو چھپانے کے لیے اپنے قرآن یعنی تورات کی ترتیب بھی بدل ڈالی اور اس کو مختلف اجزا میں بھی تقسیم کرکے اس کے بعض کو چھپاتے اور بعض کو ظاہر کرتے تھے"۔ (تدبر القرآن)

وَ لَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾	اور ، (اے رسولِ کریم ﷺ!) ہم خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔
فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ کُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۹۸﴾	پس، آپ (حسبِ معمول) اپنے رب کی تسبیح کیجیئے اس کی حمد کے ساتھ ، اور (اپنے رب کے سامنے) سجدہ ریز ہونے والوں میں سے رہیئے۔
وَ اعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ ﴿۹۹﴾	اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیئے یہاں تک کہ امر یقینی آپ پر آشکارا ہو جائے۔

<table>
<tr><td></td><td></td></tr>
<tr><td colspan="2">آپ کی جدوجہد اپنے نصب العین سے ہمکنار ہو اور زمین پر آپ کا مشن اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق پایہء تکمیل تک پہنچے، آج جو بالقوہ ہے وہ بالفعل ہو جائے، اور جو مضمر ہے وہ آشکارا ہو جائے۔</td></tr>
</table>